خلافت: کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟

پہلا سوال یہ ہے کہ خلافت ہے کیا؟ دیکھئے قرآن وسنت کی تعلیمات واحکامات اگر صفحاتِ قرآن وکتب احادیث تک محدود رہیں تو ان کی حیثیت محض ایک نظریہ، ایک فلسفہ، ایک تھیوری کی ہے۔ ان کو ضابطۂ حیات کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ البتہ جب یہ ضابطۂ حیات، جو خوش قسمتی سے آج بھی ہمارے ہاں اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، کسی خطۂ زمین میں نافذ ہوکر نظام کی شکل اختیار کر جائے تو یہی خلافت، نظامِ خلافت یا قرآن وسنت پر مبنی نظام ہوتا ہے۔ اگر میں اس بات کو تھوڑا سا اور کھولوں تو بات دراصل قانون کی ہے۔ جس کے قانون پر عمل درآمد ہوگا حکومت اسی کی ہوگی۔ اگر نظام قرآن وسنت کے احکامات پر مبنی ہوگا تو اسے خلافت کہتے ہیں۔ ہے تو پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکومت، لیکن جب کہ باقی کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکومت براہِ راست ہے، زمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکومت اپنی ایک مخلوق یعنی انسان کے ذریعہ سے چلانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس کا نام اس لئے خلافت ہے کہ اصل حاکم یعنی اللہ تعالیٰ غیب میں ہے، حکومت چلتی ہے تو اس کے نمائندے یعنی انسان کے ذریعہ سے۔

نظام اگر کسی فردِ واحد کے بنائے گئے قوانین پر مبنی ہوگا تو اسے آمریت کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر کسی فرقے، طبقے یا گروہ کے خود ساختہ قوانین پر مبنی ہوگا تو اسے اشتراکیت کہتے ہیں۔ اگر تمام جمہور یعنی عوام بگڑ جائیں اور ان کی مت اس قدر ماری جائے کہ وہ اپنی خواہشات ومفادات پر مبنی نام نہاد آئینی کتابچے لکھ کر ان کے مطابق نظام اختیار کر لیں تو اسے جمہوریت کہتے ہیں۔ بڑی تقسیم دو طرح کی ہوئی۔ خلافت اللہ کے قوانین پر مبنی تو جمہوریت، آمریت اور اشتراکیت وغیرہ انسان ساختہ قوانین پر مبنی۔ خلافت عبادت ہے تو جمہوریت، آمریت، اشتراکیت وغیرہ بغاوت، ظلم، فسق، شرک اور بنابریں حرام ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر اتارتے وقت تاکید کر دی تھی کہ وہاں پر جا کر میری ہدایت وقوانین کے مطابق زندگی گذارنا۔ باغیانہ ومشرکانہ رویہ اختیار کروگے تو ایسی آگ میں ڈالے جاؤ گے جو بجھنے والی نہیں۔ قرآن میں آیا:

''اور ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر میری طرف سے جو ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اسے قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔ (بقرہ:39)

تو یہ ہے اس سوال کا جواب کہ خلافت کیا ہے؟ کرۂ ارض پر انسانوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکومت۔

قرآن وسنت کی روشنی میں ظاہر ہے جیسے کہ اوپر دلیل سے ذکر ہوا، جمہوریت حرام ہے۔ لیکن کچھ جمہوریت پرور علماء تک اس کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں شہنشاہیت وغیرہ ہوتی تھی اور فردِ واحد کا قانون چلتا تھا۔ ایسی آمریت سے چھٹکارا حاصل کیا گیا تو حکومت میں عوام کی شرکت سے یعنی آمریت کو جمہوریت کی شکل دی گئی جس سے کہ لوگوں نے عافیت کا سانس لیا اور چونکہ اسلام بھی عوام کو حکومتی مشوروں میں شامل کرتا ہے لہٰذا ان کی تعبیر کے مطابق جمہوریت جائز ہے۔ یہ تعبیر جیسے کہ عیاں ہے اتنی بے سروپا ہے کہ اس کو ایک محاورے میں بیان کیا جائے تو یوں کہ ''گرا آسمان سے تو اٹکا کھجور میں''۔ یہ جمہوریت پال علماء جوشِ مؤقف پرستی میں بھول گئے کہ مروجہ جمہوریت کی بنا لوگوں کی اکثریت کے اصول پر مبنی ہے، جب کہ قرآن بار بار اللہ تعالیٰ کے اس ضابطے کو دہراتا ہے کہ ''لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہل ہوتی ہے''۔ اسلام نے اسی لئے ہر بالغ فرد ایک ووٹ کے شیطانی اور جاہلانہ اصول پر مبنی طرزِ انتخاب کو اختیار نہیں کیا۔ حقِ انتخاب صرف مسلمانوں کو دیا اور ان میں سے بھی اربابِ حل وعقد اور اہلِ دانش کو جو پہلے ہی ایسی پوزیشنوں پر متمکن ہوں جہاں پالیسی امور طے ہوتے ہیں۔

دوسرا سوال ہے کہ آخر خلافت ہی کیوں؟ دیکھئے ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح وعبادت میں مصروف ہے۔ قرآن میں آیا ''ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے''۔ اب ظاہر ہے سورج کے ہاتھ میں کوئی تسبیح تو نہیں۔ پانی کسی جائے نماز پر محوِ عبادت تو نہیں۔ اصل میں ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کام دے رکھا ہے۔ سورج کو روشنی وگرمی پہنچانے کا کام دے رکھا ہے تو پانی کو پیاس بجھانے اور زندگی کا حصہ بننے کا۔ ہر مخلوق ازل تا ابد اسی کام میں مصروف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا ہے اور یہی اس کی عبادت ہے۔ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک کام دے رکھا ہے اور وہ کام یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت یا بالفاظ دیگر خلافت قائم کرے۔ بلکہ قرآن مجید پتہ دیتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو پیشکش ہونے پر دوسری کئی مخلوقات تو سہم گئیں اور ایسی ذمہ داری لینے سے معذرت کر لی، انسان نے اسے قبول کر لیا (احزاب:72) یعنی دوسری مخلوقات کو تو جو کام ملا ''بائی چانس''، ملا انسان کو ملا تو ''بائی چوائس''، یعنی اس مخلوق نے یہ کام کرنے کی ذمہ داری خود لی۔ انسان کو البتہ یہ بڑی ذمہ داری نبھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام سہولیات اور صلاحیتیں دیں جو اس کام کو سرانجام دینے کے لئے لازمی تھیں۔ صوابدیدی اختیارات دیئے تو اسی لیے اور بولنے، سمجھنے، ارادہ کرنے، فیصلہ کرنے وغیرہ کی صلاحیتیں دیں تو اسی لیے۔ پھر جیسے کہ اوپر ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عین زمین پر بھیجتے وقت تاکید کی کہ وہاں جا کر میری ہدایات کو اپنانا، انحراف کیا تو سزا ہوگی (بقرہ:38-39)۔ تو خلافت کی اہمیت اس سے اور کیا زیادہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کام انسان کو دیا ہے وہ ہے ہی خلافت قائم کرنے کا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری انسانی تاریخ پر اپنے قوانین وقتاً فوقتاً نازل کرتا رہا اور جو نبیؑ بھی اس دنیا میں آیا اس نے آتے ہی بندوں کے خودساختہ قوانین کو اللہ کے عطا کردہ قوانین سے بدلنے کی سعی کی۔ کسی نبیؑ نے مروجہ معاشرے کی پیروی نہیں کی اس نے انقطاع کیا اور پھر معاشرے کو اپنے پیچھے لگایا۔ خلافت کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے خود رسول ﷺ کو پہلی وحی تو تعارفی تھی' دوسری وحی میں ہی دورِ نبوت میں کرنے کا پورا پروگرام دے دیا۔ فرمایا: ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی کبریائی کو قائم کرو'' (74:1-3) یہ وحی سات آیات پر مشتمل ہے۔ ساتویں آیت میں یہ بھی مطلع کر دیا کہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے مشکلات و مصائب سے واسطہ پڑے گا۔ لہٰذا فرمایا ''اپنے رب کی خاطر صبر کرو'' رسول ﷺ نے بھی اللہ کی کبریائی کو قائم کرنے کے کام کو اسی سنجیدگی سے لیا جس سنجیدگی اور اولیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ پورے دورِ نبوت کا ایک ایک لمحہ اسی کام کی تکمیل میں لگا دیا۔ گو نمازیں بھی پڑھیں' روزے بھی رکھے' جہاد و قتال بھی کیا' ہجرت بھی کی لیکن یہ سب ذرائع تھے' منزل جو تھی تو قیامِ خلافت یا اللہ کی کبریائی و حکومت کا قائم کرنا۔ نتیجہ نکلا تو یہ کہ رسول ﷺ دنیا میں آئے تھے تو وہاں پر دورِ جہالت تھا' اس دنیا سے تشریف لے گئے تو دورِ خلافت تھا۔ کیا حاصل ہوا دورِ نبوت کا؟ بس قیامِ خلافت یا اس کام کی تکمیل جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سپرد کیا تھا۔

ہمارے اس دور میں خلافت کی اہمیت ایک اور لحاظ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ دیکھئے جو دین رسول اللہ ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے اس میں خلیفۃ المسلمین کا وجود تھا آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ اس دین میں اولی الامر کا وجود تھا۔ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں ہے اس لئے کہ اولی الامر میں خلیفۃ المسلمین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو آج خود نہیں۔ سپرد کردہ دین میں شوریٰ کا وجود تھا آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ خلیفۃ المسلمین شوریٰ کا حصہ ہوتا ہے۔ اسی کو تو مشورہ دینا ہوتا ہے لیکن آج خلیفۃ المسلمین ہمارے ہاں خود نہیں۔ آج تو ہمارے ہاں امت کا وجود بھی نہیں۔ عرصہ ہوا امتِ مسلمہ اقوام میں بٹ چکی جو متحارب گروہوں کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ قرآن پتہ دیتا ہے کہ اسلام میں ان چاروں اداروں کی بنیادی اور کلیدی حیثیت ہے۔ قرآن مجید خلیفہ کا ہونا بھی لازمی قرار دیتا ہے (بقرہ:30) تو اولی الامر کا ہونا بھی (نساء:59)' شوریٰ بھی قرآنی تقاضا ہے (شوریٰ:38) تو امت کا ہونا بھی (آل عمران:110)۔ یہ چاروں قرآنی ادارے دینِ حق یا نظامِ خلافت کے بنیادی ستون ہیں۔ البتہ موجود ہوتے ہیں تو اس وقت جب نظامِ خلافت موجود ہو، نظامِ خلافت کی عدم موجودگی میں جیسے کہ آج ہمارے ہاں ہے، معدوم ہو جاتے ہیں۔

ایک ہال کی چار دیواریں ہوتی ہیں۔ اگر آپ ایک کو گرا دیں تو ہال اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا' اور ایک کا کیا اگر آپ دوسری' تیسری' چوتھی یعنی چاروں دیواروں کو گرا دیں تو چھت فرش پر آ گرتا ہے۔ اور دیکھنے والے کو تھڑا نظر آتا ہے جو اس کا پتہ دیتا ہے کہ کبھی یہاں پر کوئی عالی شان بلڈنگ تھی۔ آج ہمارا اختیار کردہ دین جو چاروں قرآنی اداروں سے محروم ہے یہ تو پتہ دیتا ہے کہ ہمارے ہاں کبھی عالی شان دین تھا البتہ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ دیتا ہے کہ آج ہمارا اختیار کردہ دین ناقص' نامکمل' بے روح' بے جان اور صد حیف بے دینی کی ایک شکل ہے اس کی حالت ایسی ہو چکی کہ:

ولے تاویلِ آں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفٰے را

یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے اختیار کردہ دین سے ہمیں وہ فیوض و برکات حاصل نہیں ہو رہیں جو دورِ خلافتِ راشدہ کے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں۔ تو دوسرے سوال کا مختصر جواب یہ کہ خلافت ہو تو دین ورنہ بے دینی۔

اب رہ گیا تیسرا سوال کہ نظامِ خلافت آج قائم ہو تو کیسے؟ اس کا جواب قدرے لمبا ہے۔ البتہ ہم یہاں پر اس کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں۔ دیکھئے آج کی دنیا میں اقتدار حاصل کرنے کے چار طریقے رائج ہیں۔ پہلا طریقہ یہ کہ ایک بڑا گروپ ایک چھوٹے لیکن حامل اقتدار گروہ پر حاوی ہو کر اسے پرے کرتا ہے اور خود اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے۔ فوج کا سویلین پر حاوی ہونا اسی طریقے کا مظہر ہے۔ بہت سی اقوام ایک کے بعد دوسری' دوسری کے بعد تیسری وسطِ ایشیاء سے آ کر ہندوستان میں موجود کمزور اقوام پر اسی طرح حاوی ہو کر اقتدار پر قابض ہوتی رہیں یعنی ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وغیرہ۔ اقتدار حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ سازش کا ہے۔ کچھ لوگ زیرِ زمین تیاری کر کے بالآخر جھپٹا مارتے ہیں۔ پھر تخت یا تختہ۔ تیسرا طریقہ سٹریٹ پاور کو بروئے کار لا کر اقتدار پر قبضہ کرنے کا ہے۔ انقلابِ فرانس اور انقلاب روس اسی کی مثالیں ہیں۔ چوتھا طریقہ مقتدر بننے کا بذریعہ ووٹ ہے' جو زیادہ ووٹ حاصل کر لے' حکومت اس کی۔ انبیاءؑ نے ان چاروں طریقوں میں سے کوئی بھی اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نصرت کو بروئے کار لا کر انقلاب برپا کیا۔ اسلامی انقلاب لانے والے ہمیشہ نہ صرف قلت میں ہوتے ہیں' تہی دست اور بے ساز و سامان بھی ہوتے ہیں۔ ان کے مخالفین کے پاس البتہ وسائل کی فراوانی ہوتی ہے۔ ان کے پاس تو افرادی قوت' اسلحے' سرمائے غرضیکہ ہر وسیلے کی ریل پیل ہوتی ہے۔ وہ ٹھنڈے پیٹوں گوارا نہیں کرتے کہ کوئی آئے اور ان کے جمے جمائے نظاموں کو تلپٹ کر دے۔ وہ آخری دم تک مزاحمت کرتے ہیں اور اس مزاحمت میں ہر ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ بنابریں اسلامی نظام لانے والوں یا نظامِ خلافت قائم کرنے والوں کو بے پناہ مشکلات و مصائب سے دو

چار ہونا پڑتا ہے۔ وہ ایک ہی طریقہ سے فاتح ہو سکتے ہیں کہ مخالفین کی طاقت کے مقابلے میں کسی ایسی طاقت کو اپنے شاملِ حال کریں کہ جس کے مقابلے میں دنیا کے نظاموں کے حاملین کی طاقت ہیچ ہو۔ ظاہر ہے یہ طاقت اللہ تعالیٰ کی طاقت ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا نظامِ خلافت قائم کرنے والوں کو جان لینا چاہئے کہ ایسا نظام لانے کا ایک ہی راز' ایک ہی فارمولا اور ایک ہی نسخۂ کیمیا ہے کہ نصرتِ ایزدی کو کما کر اپنے شاملِ حال کیا جائے۔ یہی راستہ ہے جو ہر نبیؑ نے اختیار کیا اور یہی راستہ ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا۔ آئیں' دیکھیں نبی کائنات ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے نصرتِ ایزدی کو کیسے کمایا۔ نصرتِ ایزدی کو کمانے کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا اسے نہیں سمجھا جا سکتا جب تک دورِ نبوت کے فطری دو ادوار کی نوعیت و ہیئت کو نہ سمجھا جائے۔ دورِ نبوت' مکی دورِ نبوت اور مدنی دورِ نبوت یعنی دو نمایاں ادوار میں منقسم ہے۔ ہر دور میں نازل ہونے والی وحی کی نوعیت' طرزِ کار اور طرزِ پیش رفت مختلف ہے۔ وجہ صرف ایک ہے۔ مکی دورِ نبوت کے اختتام پر مدینہ میں 4 مربع میل پر محیط ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم ہو گئی جس کے سربراہ خود نبی رحمت ﷺ تھے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو چھوٹا سا ہی ہوتا ہے لیکن اس میں وہ تمام اوصاف موجود ہوتے ہیں جو اس کے بڑے ہونے پر اجاگر ہوتے ہیں۔ مدینہ میں قائم ہونے والی یہ ریاست چھوٹی تو تھی لیکن اس میں بھی وہ تمام اوصاف موجود تھے جو اس وقت ظاہر ہوئے جب اسلامی مملکت کی سرحدیں دنیا کے کناروں کو چھونے لگیں۔ مکی دورِ نبوت کے اختتام پر جب ایک اسلامی ریاست دنیا کی بڑی بڑی ریاستوں کے مقابلے میں معرضِ وجود میں آ گئی تو جیسا کہ اوپر بیان ہوا طرزِ وحی' طرزِ کار' طرزِ پیش رفت غرضیکہ ہر چیز بدل گئی۔ اسلام والوں کو تمکن فی الارض حاصل ہو گیا جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ نماز کے لئے پہلی مسجد مدینہ پہنچتے ہی بنی۔ زکوٰۃ' روزہ' حج سب مدینہ پہنچ کر اپنی اصلی حالت میں نمودار ہوئے۔ قرآن پتہ دیتا ہے یہ نمودار ہوتے ہی اس وقت ہیں جب تمکن فی الارض حاصل ہو اور نظامِ خلافت معرضِ وجود میں آ جائے۔ جب یہ مرحلہ مکی دورِ نبوت کے اختتام پر وقوع پذیر ہوا تو مطلب صاف ظاہر ہے کہ مکی دورِ نبوت قیامِ خلافت کا دور ہے یعنی وہ دور جس میں کیے گئے کام کے نتیجہ کے طور پر خلافت قائم ہوئی تو مدنی دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ دوامِ خلافت کے ادوار ہیں۔ یعنی وہ ادوار جن میں قائم شدہ خلافت کو وسعت اور استحکام حاصل ہوا۔ دورِ دوامِ خلافت میں اس لئے غزوات کا راستہ اختیار کرنا پڑا کہ اس میں غلبہ دین کا عنصر آ گیا اور غلبۂ دین ممکن ہی نہیں ہوتا بغیر قتال اور تصادم کے (انفال:39)۔

ایک لحاظ سے مسنون طریقۂ قیامِ خلافت یک نکاتی ہے اور وہ اس طرح کہ جوں جوں قرآنِ مجید نازل ہوتا گیا' رسول اللہ ﷺ بغیر کسی ادنیٰ تاخیر کے نافذ کرتے گئے۔ دو نتائج برآمد ہوئے احکاماتِ قرآنِ مجید کے یوں نافذ کرنے سے۔ ایک تو نیا نظام استوار ہوتا گیا اور دوسرے پہلے سے موجود فرسودہ و بیہودہ نظام چلتا بنا۔ مخالفینِ اسلام کو نئے نظام کا آموجود ہونا بھی ناگوار تھا لیکن یہ ان کیلئے سخت ناقابلِ برداشت تھا کہ ان کے آباؤ اجدادی نظام کا قلع قمع ہو اس لیے کہ اس کے ساتھ حاکموں' مذہبی پیشہ وروں' تاجروں وغیرہ کے مفادات وابستہ تھے۔ پہلے تو وہ یہ مطالبہ لے کر بار بار خدمتِ رسالت میں پیش ہوئے کہ "اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر دو" (یونس:15)۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی نہ مانی تو بپھر گئے' نتیجہ اذیتیں' ہجرتیں' غزوات و سرایا وغیرہ۔ ان مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے علی الرغم نبی کائنات ﷺ قرآنِ مجید کو بدستور نافذ کرتے چلے گئے' نصرتِ ایزدی شامل ہو گئی تو ایک وقت آیا کہ نہ صرف قرآن و سنت پر مبنی نظام اپنی پوری وسعتوں اور تفصیلات کے ساتھ استوار ہو گیا بلکہ پرانا نظام بستر الپیٹ چلتا بنا۔ وحی کی مزید ضرورت نہ رہی' سلسلۂ نبوت کو بھی ختم کر دیا گیا۔

آج بھی جب کسی نے قرآن و سنت پر نظام قائم کرنا ہو تو کم و بیش ویسی ہی مشکلات و مصائب سے دوچار ہونے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ بگڑے ہوئے معاشرے ٹھنڈے پیٹوں ایسا نہیں ہونے دیں گے خواہ یہ بگاڑ کسی معاشرے میں مسلمانوں کا ہی پیدا کردہ ہو۔ ہماری آج کے دور کے مسلمانوں کی نالائقی اور ناشکری کہ قرآنِ مجید تو موجود ہے لیکن کما حقہٗ نافذ نہیں۔ نافذ ہے تو انسانی ہاتھوں بنا کتابچہ جس کی اجازت نہیں (بقرۃ:79)۔ فرضِ عین ہے اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی ہے کہ قرآنِ مجید کو ہی آئینِ مملکت قرار دیا جائے' اِن شاء اللہ' اسی طرح کا نظام قائم ہو جائے گا جیسا کہ دورِ نبوت میں ہوا اور جس کا مبارک نام ہے "نظامِ خلافت"۔ موجودہ آئین کو مسلمان کر کے متعدد دوسری ذیلی دستاویزات کے ساتھ ایک ذیلی دستاویز بنا لیا جائے' دیکھتے ہی دیکھتے دنیا و آخرت دونوں سدھر جائیں گے۔